مثالی ملت کا تصور

ترجمہ۔ از حضرت شاہ ولی اللہ

تمہیں یہ جاننا چاہیئے کہ ارتفاقات[1] جن پر نظام بشری کی بنا ہے، اور انہیں اور بالخصوص ان میں سے ارتفاق ثانی[2] اور ارتفاق ثالث کو اللہ تعالےٰ کے فضل و عنایت نے نوع انسان کو عطا کیا ہے۔ نیز اقترابات[3] جو طبائع انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے فضل و عنایت سے

---

[1] ہر نوع کو اپنے نوعی تقاضوں کی تکمیل کے لئے "طبیعی الہامات" سے نوازا گیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں نوع انسان کو اپنی ضرورتوں کی تحصیل اور اس میں مزید آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ "خصوصی الہامات" سے بھی سرفراز کیا گیا ہے ان الہامات کا ظہور جن علمی پیرایوں میں ہوتا ہے۔ ان کا نام ارتفاقات ہے۔

[2] انسان کی اجتماعی زندگی کی پہلی منزل، جس سے کوئی دور افتادہ انسانی گروہ بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ارتفاق اوّل ہے۔ جیسے بات چیت کھیتی باڑی اور مویشی پالنا وغیرہ۔ وہ امور جو شہروں کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ارتفاق ثانی میں آتے ہیں نظام حکومت اور عدل و انصاف کا قیام ارتفاق ثالث سے تعلق رکھتا ہے اور ارتفاق رابع یہ ہے کہ لوگ ایک ایسی طاقت کی اطاعت کریں، جو خلافت کبریٰ کی ہم پلہ ہو۔ "خلیفہ" سے میری مراد یہ ہے کہ ایک شخص ایسی شوکت و صولت کا حامل ہو کہ دوسرا شخص اس کے ملک پر حملہ کرنا اور اسے چھیننا ناممکن سمجھے۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

[3] اقترابات، قرب الٰہی کے حصول کے ذرائع

---

* یہ البدور البازغہ کی فصل (فی بیان الملل والشرائع) کا ترجمہ ہے ——— مدیر

نوع انسانی میں انہیں اور ان میں سے خاص طور سے احسانؔ عبادت گزاری اور شستہ و بدی سے اجتناب کو نمایاں کیا ہے، غرض یہ ارتفاقات اور اقترابات سب کلی امور ہیں، اور یہ بہت سی شکلوں میں بروئے کار آتے ہیں۔

ان ارتفاقات میں سے مثال کے طور پر ایک نکاح ہے۔ اور یہ مشتمل ہے اس کے اعلان، دف بجانے اور گانے پر، ایسے کپڑے پہننے پر جو عموماً نکاح ہی کے موقع پر پہنے جاتے ہیں اور کھانا تقسیم کرنے پر جو عموماً نکاح ہی کے موقع پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ امور ارتفاق ثانی کے تحت آتے ہیں۔ اور جس نے یہ پورے کئے اس نے حق واجب ادا کر دیا اسی طرح نکاح کی شرائط میں گواہوں کی شہادت اور زبان سے ایجاب و قبول بھی ہے، اور جس نے یہ شرائط پوری کیں، اس نے حق واجب ادا کر دیا۔ بات یہ ہے کہ نکاح کے معاملے میں حقیقی فرض یہ ہے کہ منکوحہ عورت کا ایک مرد کے ساتھ تعین ہو جائے سلہ

سلہ "احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے، ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" (حجۃ اللہ البالغہ) علم احسان میں اعمال کے سلسلے میں ہئیات نفسیہ اور کیفیات نفس سے بحث کی جاتی ہے تاکہ انسان ان ہیات و کیفیات کی حقیقت اور ان کے اصل معنی معلوم کرے اور اس طرح اعمال کو پوری بصیرت کے ساتھ انجام دے سکے اور اس اصل مقصود تک پہنچے، جو ان اعمال سے مطلوب ہے۔

سلہ نکاح کا طریقہ اس مروجہ ہیئت میں یعنی یہ کہ نکاح غیر محارم کے ساتھ کیا جائے۔ لوگوں کے مجمع عام میں کیا جائے ... عین فطری امر ہے، جس پر کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور عرب و عجم میں اس بارے میں اختلاف نہیں (حجۃ اللہ البالغہ)

حجۃ اللہ البالغہ میں "تدبیر منزل" کے ذیل میں فرماتے ہیں: معلوم ہونا چاہیئے کہ تدبیر منزل کے اصل اصول تمام عرب و عجم کے نزدیک مسلّم اور رائج ہوئے تھے اور ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اشباح و صُوَر کا اختلاف ہے، جب آنحضرت صلعم عرب میں مبعوث ہوئے اور حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ زمین الٰہی پر کلمۃ اللہ کو غالب کر دیا جائے تو غلبہ کی صورت یہ ہوئی کہ عربوں کو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر غالب کر دیا جائے۔ اور ان کی عادات و اخلاق کے ذریعہ تمام کے علوم و اخلاق پر ان کی ریاست و امارت قائم کر کے تمام کی ریاست و امارت کو منسوخ کر دیا جائے چنانچہ حکمت الٰہی نے یہ واجب کر دیا کہ تدبیر منزل کے بارے میں اہل عرب کے عادات و اطوار کو بطور اصول متعین اور لازم کر دیا جائے اور بعینہٖ انہی اشباح و صور کا اعتبار کیا جائے۔

تاکہ اور کوئی اس میں شریک نہ ہو اور نہ کسی بھی بنا پر اس قسم کی شرکت کا کوئی احتمال باقی رہے۔ نیز اس سلسلے میں نکاح کا اہتمام جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، بڑی شان سے کیا جائے۔ اور یہ مذکورہ بالا امور سے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کا مسئلہ ہے۔ یہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ آدمی بالکل اس کا ہو جائے[1] (یمکن بالتجرد الیہ) اور اس سے انسانی خواص جاتے رہیں۔ اور اس طرح بھی ممکن ہے کہ وہ اصل انسانیت اور اس کے خواص کو باقی رکھتے ہوئے اعضاء و جوارح کے ذریعہ تقربِ الٰہی کے آداب بجا لائے[2]

ان دو مثالوں پر تم ارتفاقات و اقترابات کے ان تمام بڑے بڑے امور کا قیاس کر لو، جن کا

---

[1] "سماحت" یہ ہے کہ نفس انسانی بہیمی جذبات کی گرفت سے آزاد ہو جائے صوفیائے کرام اس حقیقت کو قطع تعلق یا فنا یا حریت نفس سے تعبیر کرتے ہیں کہ انسان دنیوی تعلقات کو منقطع کر لیوے بشری رذائل و خصائص کو ختم کر کے اپنے کو مرضی الٰہی میں فنا کر دے اور دنیوی تعلقات سے بالکل آزاد ہو جائے ... ۔ اور خلق سماحت کی تحصیل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان ان امور سے بھی احتراز کرے، جن کی وجہ سے اس قسم کے امور میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور قلب کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھے۔ اور نفس کو عالم تجرد کی طرف رجوع کر دیوے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

[2] شارع نے جن امور کا بطور "ایجاب" یا "تحریم" حکم فرمایا اور اولاً لوگوں کو ان کا مکلف گردانا، وہ ایسے اعمال ہیں، جو کیفیات نفسیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور آخرت میں انہیں اعمال کا اجر و ثواب یا عتاب و عذاب انسان کو ملتا ہے۔ یہی اعمال ان کیفیات میں پھیلاؤ پیدا کرتے اور ان کی تشریح کرتے ہیں۔ اور یہ اعمال ہی ان کیفیات نفسیہ کی ظاہری شکلیں اور صورتیں ہوا کرتی ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

ہم نے ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کہ ان کا متعدد شکلوں میں وقوع پذیر ہونا ممکن ہے چنانچہ ہم نے ملت حنفیہ کے ضمن میں ان کی جن شکلوں اور طریقوں کا ذکر کیا ہے، تم اس سے دہوکے میں نہ آجانا۔ یہ تو صرف مثالیں تھیں اور فقط مثالیں، اس بارے میں تم یہ نہ سمجھنا کہ ان معاملات میں حق واجب صرف ان شکلوں ہی میں محصور ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ملتوں میں سے کوئی ملت بھی ایسی نہیں جس سے ان امور کے حق واجب کو بالکل نظر انداز کیا ہو، اور کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس پر کہ بشر اور انسان کا اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ اس حق واجب کا انکار کرے[1]۔ باقی اس کی خلاف ورزی کرنا دوسری بات ہے۔ اختلاف و نزاع اگر ہے تو ان کی کسی معین شکل اور ان کی کسی مخصوص وضع کے بارے میں ہے، مختصراً ارتفاقات اور اقترابات کے وقوع پذیر ہونے کے سلسلے میں جو شکلیں اور اوضاع و ہیئتیں ہیں، ان کی ایک معین شکل اور مخصوص وضع ملت[2] کہلاتی ہے۔

اب حالت یہ ہے کہ چونکہ بنی آدم کی اکثریت ارتفاقات اور اقترابات کے علوم کو صحیح طور پر حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ان کی اوضاع و ہیئتوں کے اصولوں تک وہ پہنچ پاتے ہیں، اس لئے

ل تم دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ پاؤ گے جو مذکورہ ابواب (ارتفاقات) کے جو اصول ہیں، ان پر اعتقاد نہ رکھتی ہو۔ اور باوجود دین و مذاہب کے اختلاف، دور دراز شہروں اور آبادیوں و ملکوں میں جدا جدا رہنے کے انہیں قائم کرنے اور ان کی پابندی میں پوری پوری کوشش نہ کرتی ہو۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

ٹہ ارتفاقات اور اقترابات کی بعض شکلوں اور مخصوص اوضاع و ہیأت کو فرداً فرداً رسوم کہتے ہیں اور ان کا مجموعی نام ملت ہے۔ ان "رسوم" کی ارتفاقات کے ذیل میں وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی ہے۔ ان "رسوم" کا تعین مختلف ذرائع سے ہوتا ہے۔ اور بہت سے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں استحکام ملتا ہے اس ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں بہت سے "رسوم" اپنی اصلیت کے لحاظ سے حق ہیں۔ کیونکہ یہ مصالح ارتفاقات کے محافظ ہیں اور افراد انسانی کے نظری اور عملی کمال کی طرف رہنمائی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگر یہ طریقے نہ ہوں (باقی حاشیہ ص ۲۱ پر)

نوع انسانی پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے یہ واجب ٹھہرا کہ ملّتوں کا وجود ظہور میں آئے اور انسانوں کی فطرت میں کسی نہ کسی ملت کی فرمانبرداری کا داعیہ و رجحان ودیعت کیا جائے پھر ارتفاقات بروئے کار آئیں، اور ان کی فرمانبرداری ایک مخصوص ملّت کے لئے واجب کردی جائے۔

باقی رہا ملّتوں کا ظہور، تو وہ مختلف طرح پر ہوتا ہے، کبھی ایک عالم جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ملتی ہے اور وہ ارتفاقات اور اقترابات کے علوم پر حاوی ہوتا ہے، ایک ملّت کے قیام کا سبب بنتا ہے وہ ایک معتدل و متوازن اور جامع و ہمہ گیر ملّت کی طرح

(بقیہ حاشیہ ص۲) تو انسانوں کی زندگی چوپایوں کی سی بن کر رہ جائے چنانچہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو شادی بیاہ اور دوسرے معاملات کو طریق مطلوب کی شکل میں انجام دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے ان کے اسباب دریافت کئے جائیں، تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ ہوگا کہ ہم قوم کی موافقت میں ایسا کر رہے ہیں۔ اس بارے میں ان کی تمام تر جدو جہد کی انتہا ایک علم اجمالی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔۔۔ جب اس طرح یہ سنت راشدہ مستحکم ہو جاتی ہے، تو پھر قوم اسے عصراً بعد عصر مانتی چلی جاتی ہے، اسی بنا پر اس کی زندگی ہوتی ہے اور اس پر اس کی موت۔ ان کے قلوب اور ان کے علوم اس سنت راشدہ پر راسخ ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وجوداً اور عدماً اصول حیات کے لئے یہی طریقہ ضروری ہے۔ ان کی خلاف ورزی وہی شخص کر سکتا ہے، جس کا نفس خبیث ہو۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد کا کہ "نبوت اکثر و بیشتر کسی نہ کسی ملّت کے ماتحت ہوتی ہے" یہ پس منظر ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"جاننا چاہیئے کہ عالم مسکون کا کوئی شہر، دنیا کی کوئی قوم بشرطیکہ وہ معتدل المزاج اور اخلاق فاضلہ کی حامل ہے، حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک ان ارتفاقات اور تدابیر معاش سے خالی نہیں رہی نسلاً بعد نسلٍ ان تدابیر کے اصول کو بطور مسلمات مانتی چلی آئی اور مانتی چلی جائے گی۔ اس معاملے میں تمہیں ارتفاقات کی ظاہری صورتوں اور ان کی جزئیات کا اختلاف پریشان نہ کرے کیونکہ ان کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں"

ڈالتا ہے۔ ملت کی یہ نوع سب سے بلند اور سب سے ممتاز ہوتی ہے[1]۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عادل بادشاہ برسر اقتدار آتا ہے اور وہ جسے کہ مصلحت سمجھتا ہے، عدل و انصاف کو فروغ دیتا ہے چنانچہ وہ جس طرح اپنی فوج اور رعیت سے برتاؤ کرتا ہے تعزیرات اور سزاؤں کو نافذ کرتا ہے جھگڑوں کے فیصلے کرتا لوگوں کے باہمی نزاع نمٹاتا اور لڑائی کے موقعوں پر لشکر آرائی کرتا، اور اس کے دوسرے امور سے عہدہ برآ ہوتا ہے، تو اس عادل بادشاہ کے یہ سارے کام ایک مستحسن، معقول اور قابل اتباع سنت بن جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد

---

[1] انسانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو کج فہم اور کج راہ ہوتے ہیں ... کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کچھ صلاحیت بھی ہوتی ہے .... لیکن ایسے لوگ اگر ہدایت و راہ نمائی کی ایک چیز پا سکتے ہیں تو بہت سی چیزیں ان سے مفقود ہو جاتی ہیں۔

" حاصل کلام یہ کہ لوگوں کو ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے، جو علم سے پوری طرح واقف ہو۔ اور لغزشوں اور کوتاہیوں سے ہر طرح مامون و محفوظ ہو۔ اور جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایک شہر کے لئے جہاں عقل معاش پوری قوت سے موجود ہوتی ہے۔ جہاں نظام صالح کے جاننے والے بے شمار پائے جاتے ہیں کسی ایسے انسان کی ضرورت ہوتی ہے، جو مصالح عامہ کو کامل طور پر جانتا ہو اور شہر کی صحیح طریقے پر تنظیم کر سکتا ہو، پھر ایسی امت کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے، جس میں بے شمار مختلف استعدادیں اور قابلیتیں موجود ہوں اور پھر اس طریقے کو شہادت قلب کے ساتھ ایسے ہی لوگ قبول کر سکتے ہیں، جو زکی النفس، پاک فطرت، تجرید نفس، اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مراتب کے حامل ہوں۔ ایسے طریقے کی طرف ہدایت اور راہ نمائی انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو اعلیٰ درجے کے حامل اور بلند مقام کے رازدار ہوں۔ اور ظاہر ہے اس شان کے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں"

شاہ صاحب فرماتے ہیں، جب لوہار اور بڑھئی کے پیشے بدون ہدایت و رہنمائی نہیں سکے جا سکتے تو پھر ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے، جن کی راہ نمائی صرف الہیٰ لوگوں کو حاصل ہوا کرتی ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق ملتی ہے۔ اور انہیں ہستیوں کو اس کی جانب توجہ ہوتی ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۲ پر)

جو اور بادشاہ آتے ہیں، وہ ان امور میں اس کا اتباع کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر قوم میں اس کے حکماء اور ممتاز افراد پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ نکاح ضیافتوں اور دوسرے امور کے سلسلے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ ایک معقول اور مستحسن سنت بن جاتی ہے چنانچہ ان کے بعد جو لوگ آتے ہیں، وہ ان امور میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اس طرح ہر اہل صنعت طبقے کا ایک امام ظہور میں آتا ہے کہ دوسرے اس کے اعمال کی اقتدا کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک صاحب رشد و ہدایت پیدا ہوتا ہے۔ وہ اقترابات میں سے کسی ایک شق کو سمجھتا ہے۔ پھر اس کی تکمیل کرتا ہے چنانچہ تقرب الٰہی کے مقتضیات کے سلسلے میں جو وہ کرتا ہے، وہ ایک قابل اتباع سنت بن جاتی ہے کہ قوم کے افراد اس پر چلتے ہیں۔ الغرض ان ائمہ کے علوم سے ایک لازمی طریقہ و ملت وجود میں آتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲) جنہیں اخلاص کی برکتیں میسر ہوتی ہیں۔ اور پھر ایسے عالم حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ برملا طور پر دنیا جہاں کے سامنے ثابت کر دے کہ وہ سنت راشدہ اور راہ ہدایت کا کامل راز آگاہ ہے۔ قول میں صادق اور خطا و گمراہی سے بالکل محفوظ ہے، اور پھر اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اصلاح کا کوئی ایک حصہ اختیار کرے اور کسی ایک حصے کو چھوڑ دے۔"

شاہ صاحب کے نزدیک اس اصلاحی طریقے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مصلح اپنے ماقبل کے کسی ایسے شخص کی روایات پیش کرے.. جس کے متعلق لوگوں کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ ایک کامل شخصیت اور عظیم ترین صفات کا حامل ہے۔ اور معصوم ہستی ہے۔ یہ بات بہت آسان ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو خود ان کے عقیدے کے مطابق ان کی روایات کی دعوت دے۔ اور ان کی مسلّمہ چیزیں ان کے سامنے بطور دلیل پیش کرے۔

"یا پھر وہ خود... ایسی شخصیت کا مالک ہے... جو معصوم اور بے خطا ہو۔ اور تمام لوگ اس کے معصوم ہونے پر متفق ہوں۔ اور ایسا آدمی خود ان کے اندر موجود ہو۔ اور اگر وہ خود موجود نہ ہو تو اس کے اقوال اور روایتیں ان کے پاس محفوظ ہوں" (حجۃ اللہ البالغہ)

کہ اس کی نافرمانی نہیں کی جاتی۔ اور کوئی زمانہ اور شہر ایسا نہیں، جو اس قسم کے طریقہ وملت سے خالی ہو۔[1] لوگوں کی اصل طبیعتوں میں جو داعیہ ودیعت کیا گیا ہے، وہ ہے ان کا اپنی فطرت کی طرف سے ارتفاقات اور اقترابات کے اصولوں کی فرمانبرداری۔ اور ان کا خود ان ارتفاقات اور اقترابات کی کوئی مخصوص ومتعین حد کر سکنا۔[2] بے شک ان کے سینوں میں یہ علوم اس طرح ہوتے ہیں، جیسے کہ ایک خالص عرب میں علم الاعراب اور علم الصرف ہو کہ وہ بولنے میں کوئی اعراب اور صرف ونحو کی غلطی نہیں کرتا۔

---

[1] جاننا چاہیئے کہ رسوم کو ارتفاقات میں وہی حیثیت حاصل ہے، جو جسم انسانی میں قلب کو ہے۔ شرائع الہیہ میں اولاً اور بالذات یہی ارتفاقات مقصود ہوتے ہیں اور نوامیس الہیہ انہی سے بحث کرتی ہے ان رسوم کے رائج ہونے کے چند اسباب ہیں۔ مثلاً یہ کہ حکما نے ان کو مستنبط کیا۔ یا مثلاً یہ کہ ان لوگوں کے قلوب میں اللہ تعالٰے نے ان رسوم کا الہام فرمایا، جنہیں انوار ملکیہ کی تائید حاصل ہے۔ اور چند اسباب ہوتے ہیں، جن کی بنا پر ان رسوم کی نشر واشاعت ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کسی ایسے باسطوت بادشاہ نے کسی رسم کو لوگوں کے لئے بطور طریق عمل رائج کیا۔۔۔۔۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

[2] "انسانوں میں کچھ لوگ ایسے صاحب عقل وبصیرت ہوتے ہیں، جو ضروریات زندگی کے لئے مفید تدبیریں مستنبط کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں بھی امور اس طرح کھٹکتے رہتے ہیں، جس طرح ارباب عقل وبصیرت کے دلوں میں کھٹکتے رہتے ہیں، لیکن ان میں اخذ واستنباط کی قابلیت نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ حکما سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کے استنباط کئے ہوئے مفید طریقوں کو سنتے ہیں، تو ان کے قلوب ان چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ یہ چیزیں ان کے علم اجمالی کے موافق ہوتی ہیں۔ اس لئے پوری طاقت سے وہ ان پر کاربند ہو جاتے ہیں۔"

(یہ ارتفاقات کا ذکر ہے) (حجۃ اللہ البالغہ)

بیناً اس کے دل میں مفعول اور فاعل میں امتیاز پایا جاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوتا ہے اور وہ بولتے وقت اس کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اسی طرح بنی آدم کے دلوں میں بھی ایک اجمالی علم ہوتا ہے، جس کی وہ از خود تشریح نہیں کر سکتے، لیکن جب ملت کے ظہور کے ضمن میں یہ شرح کر دی جاتی ہے، تو اگر یہ شرح صاف اور واضح ہو، اور اس میں کوئی ابہام نہ پایا جائے ان کے دلوں میں خوب گھر کر جاتی ہے[1]

ایک خاص ملت کے ارتفاقات کی فرمانبرداری واجب کرنے والی ایک یہ چیز بھی ہوتی ہے کہ اس کے ائمہ کی شہرت پھیل جاتی ہے، ان سے خارقِ عادت امور کا ظہور ہوتا ہے اور وہ ائمہ لوگوں میں اپنی دین داری، غور و خوض والے علوم اور عجیب و غریب افعال کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں ان کے بارے میں عقیدت ہو جاتی ہے۔ نیز یہ ہوتا ہے کہ کامل یا ناقص استقراء سے لوگوں میں یہ خیال یا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اس ملت کی نافرمانی سے دنیا اور آخرت میں دردناک

---

[1] بعض ایسے ہوتے ہیں، جن میں یہ خلق سعادت تو مفقود ہوتا ہے، لیکن اس کے حصول کی امید ہوا کرتی ہے۔ اور یہ اس طور پر کہ سخت ترین ریاضتیں کی جائیں... اور دنیا میں اکثر لوگ اس قسم کے ہیں اور بعثت انبیاء سے اولاً و بالذات یہی لوگ مقصود ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے اندر خلق مطلوب اجمالی طور پر موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مناسب تفصیل اور اس کی ہیئات و اشکال کی تعیین میں وہ اکثر پیشوا کے محتاج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار۔ (قریب ہے کہ اس کا روغن روشن ہو جائے۔ اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے) شریعت الٰہیہ میں اس قسم کے لوگوں کو سابق کہا گیا ہے انہی لوگوں میں ایک طبقہ انبیائے کرام کا ہوتا ہے۔ انبیائے کرام کے لئے خلق مطلوب کی تحصیل، اس کے کمالات کی طرف اقدام، اس کی مناسب ہیئات و اشکال کی تقویٰ، فوت شدہ امور کی تحصیل اور اس کی کیفیت کا علم اور نقص کی تکمیل نہایت سہل ہوا کرتی ہے۔ وہ اسی منزلِ مقصود کو بغیر کسی امام اور بغیر کسی رہنما کے پا لیتے ہیں۔ ان کے اعمال اور طریق زندگی کو لوگ محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح ان کے سنن اور قوانین منظم ہو جاتے ہیں۔ اور لوگ انہی کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں اور انہی سے وہ مطلوبہ سعادت کو پا لیتے ہیں

عذاب ہوگا یا آپس میں فتنہ و فساد اور نزاعات پیدا ہو جائیں گے [1]

تمہیں یہ جاننا چاہیئے کہ ہر ملت کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ایک دستور ہو، جس پر اس ملت کی طرز پڑھے۔ اگر اس ملت کا قیّم (قائم کرنے والا) ایک فرد واحد ہے تو اس کا ان علوم کے بارے میں جنہیں اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے کمال کے مطابق حاصل کیا ہے ایک معیار (میزان) ہوتا ہے پس اس ملت میں اس کے یہ علوم دستور ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک فرد واحد کے بجائے بہت سے ائمہ ہوں کہ ملت کے شعبوں میں سے ہر شعبے کا ایک امام ہو، تو ان میں سے ہر ایک کا اس کے علمی کمال کے فعلاً ظہور کی بنا پر ایک درجہ ہوگا۔ چنانچہ ہر شعبے کا دستور اس کے علوم کا امام ہوگا۔ اور کوئی شخص اس وقت تک حکیم نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ ملتوں کے علوم کو ان کے دستور کی نسبت سے نہ جانے اس صورت میں وہ ایک ایسی ملت کو انتخاب کرے گا۔ جس کا نام ملتوں میں بہترین طریقہ ہوگا۔ اگر تو نے اس معاملے میں ذرا سی بھی غفلت کی، تو تو دنیا اور آخرت دونوں میں دھکے کھائے گا۔

اس بارے میں تحقیقی امر یہ ہے کہ ملتوں میں سے ایک ملتِ قصوئی[2] ہونی ضروری ہے، جس کا دستور وہ علوم ہوں جن کی ہر ہر شعبے پر گہری اور تحقیقی نظر ہو۔ اب تم ہی تحقیق کرو تو دیکھو گے کہ بلند اور پست چیزوں میں سے جو بھی موجود ہے، وہ فعلاً اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتی جب تک کہ اسے اوپر سے اور نیچے سے علتیں محیط نہ ہوں۔ چنانچہ اس کی کنہ حقیقت کا تب ہی ادراک

---

[1] "اور کچھ اسباب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی بنا پر لوگ ان رسوم کو مناسب اہتمام کے ساتھ مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ مثلاً اعمال کی غیبی جزا و سزا کا تجربہ کہ فلاں رسم کے ترک کرنے سے فلاں سزا ملی یا کسی رسم سے غفلت برتنے سے کوئی فساد رونما ہو گیا۔ یا مثلاً نیک ستیر ارباب بصیرت اس کے ترک پر ملامت کرتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے اسباب ہوتے ہیں، جن کی بنا پر ان رسوم کو استحکام حاصل ہو جاتا ہے۔" حجۃ اللہ البالغہ

[2] اس کی تشریح بعد میں آتی ہے

ہو سکتا ہے، جب اس کی تمام علتوں کا ادراک ہو۔ اسی طرح بنی آدم کے دل پر جو وارد ہوتا ہے، تو اس کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کے باطن کا تعلق ہے، تو اس کی علّتیں ہوتی ہیں، جس نے ان علتوں کے ذریعہ اس کے کنہ کو جانا، اس نے اس کے باطن کو جان لیا۔ باقی رہا اس کا ظاہر تو وہ اس عالم میں اس کی خواص، ظاہری کیفیات اور رنگ ہیں۔ جس نے اسے ان خواص اور علامات کے ذریعہ جانا، اس نے اس کا ظاہر جان لیا۔ (اس کے بعد شاہ صاحب نے دو مثالیں دی ہیں)

مختصراً ملت قصوی وہ ہے کہ اس سے بہتر طریقہ کسی اور ملت کے پاس نہ ہو اور نہ اس جیسے کسی کے ہاں جامع علوم اور ہر پہلو کو پوری طرح غور و تعمق کے ساتھ احاطہ کرنے والے نقطہ ہائے نظر ہوں۔ ایسی ملت کے قیم کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوقات اور اس کی سنت ہر دو کو اجمالاً اور تفصیلاً، ظاہراً و باطناً اور تجربتاً اور عقلاً محیط کئے ہوئے ہو۔ علوم کی تفصیل میں خوب غور و خوض کرتا ہو۔ اس کے علوم، علوم انسانیہ کے قبتے سے صادر ہوتے ہوں، اور وہ انہیں اور ان سے ملتے جلتے علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ اس ملت کی شان یہ ہو کہ وہ ارتفاقات کے اصول و قواعد کو بغیر ان کی ایک ایک صورت کی تحقیق کئے، پیش کرے۔ اور اس کا جو قیم ہو، وہ پھر ارتفاقات کی صور و اشکال کی الگ الگ پوری پوری تفصیل کرے۔ بعد ازاں ان صور و اشکال کو مختلف انسانوں پر ان کی استعدادوں، مزاجوں، عادتوں اور ان کی قوتِ اخلاق کے مطابق تقسیم کرے۔ لیکن ان کی پوری معرفت اور ان کے ایک کے دوسرے سے کامل طور پر امتیاز کے بعد نیز وہ الہیات کی ایک ایک چیز کی بنیاد رکھے۔ اس سلسلے میں وہ اللہ کی ذات اور صفات کی وضاحت کرے، اور اس کی یہ وضاحت زیادہ سے زیادہ صراحت لئے ہوئے ہو۔ یہ صرف عام عرفی زبان میں نہ ہو، بلکہ دلیل و برہان کے ذریعہ اس طرح وضاحت کی جائے کہ اس سے نہ کوئی راز چھوٹے نہ نکتہ، نہ کوئی خفی بات رہ جائے نہ جلی، وہ اس کا اوپر سے بھی احاطہ کرے اور نیچے سے بھی، اس کے بعد وہ لوگوں کو بتائے کہ وہ ان عمیق معارف اور حکمتوں کی کس طرح تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان معارف و حِکَم کی یہ تعبیرات مختلف لوگوں کے لئے خاص ہو جائیں۔ پس ایک ایک کے پاس اپنے اپنے طور پر ان کا عرفان و معرفت اور ان کے بارے میں تفصیل و وضاحت ہو،

یہ قیم اللہ تعالےٰ کے تقرب کے جو نسمی،[1] روحانی اور دوسرے مراتب ہیں۔ ان میں غور و خوض کرے اور اس اعتبار سے لوگوں کے ان میں حصولِ کمال کی جو استعدادیں ہیں، ان کے مطابق مختلف گروہ کرے اور ہر استعداد والے کو اس کی استعداد کے مطابق تقرب الٰہی کی انواع میں کوئی نوع دے۔ اس کے بعد پھر وہ ادھر متوجہ ہو اور ہر تقرب کے جو خواص، آداب اور اسباب ہیں، اور انہیں جس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے، ان کو بیان کرے۔

مختصراً یہ قیم آدمیوں کی کثرت کے اعتبار سے کثیر التعداد عبادتیں شرعاً معین کرے ان میں سے بعض روحانی ہوں، بعض جسمانی۔ اسی طرح وہ بدیوں، ان کے درجات و اسباب اور جن ذرائع سے وہ پیدا ہوتی اور جن تدابیر سے ان کا قلع قمع ہو سکتا ہے، ان کی تحقیق و تفتیش کرے۔ اور یہ ہر ہر استعداد اور ہر ہر زمانے کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ ایسے ہی وہ عالم قبر اور عالم حشر کی پوری پوری تحقیق و تفتیش کرے، اور اس ضمن میں نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑے نہ بڑی۔ نیز وہ ان مصائب کے لئے جن کے پیش آنے کا انسانوں کو ڈر رہتا ہے، اور ان آفات و حوادث کے لئے جو وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں فرائض معین کرے، اسی طرح وہ ان اچھے مقاصد کے لئے بھی جو انسانوں کو مطلوب ہیں فرائض کا تعین کرے، بعد ازاں وہ ہر شے کے وہ اسباب جو اسے وجود میں لاتے ہیں، اسی طرح وہ اسباب جو اسے معدوم کرتے ہیں، بیان کرے۔ یہ جو ہم نے سب ذکر کیا ہے، یا آئندہ ذکر کریں گے ان کا احاطہ کرنا ممکنات میں سے نہیں، اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے وہ محض ہمارے اجمالی علم کے اعتبار سے ہے۔

الغرض "ملت قصوی" وہ ہے، جو انام نوع انسان[2] کی پوری پوری شرح ہو، اور یہ شرح

---

[1] نسمہ، روح ہوائی کو کہتے ہیں، جس کا تعلق قوائے بدنیہ سے ہے، مترجم

[2] نوع انسان کا بحیثیتِ مجموعی ایک مثالی (آئیڈیل) نمونہ

ہر ہر فرد کے اعتبار سے تمام احکام و قواعد پر مبنی ہو، لیکن اس قسم کی ملت کا وجود میں آنا اور ظاہر ہونا ان وجوہ کی بنا پر امر محال ہے۔

اوّل۔ اس ملت کے قیم کے لئے لابدی ہے کہ وہ ہر جہت سے اپنے کمال میں فعلاً انتہا پر سرفراز ہو کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔ اور بنی آدم میں ایسا ہونا محال ہے

دوم۔ اس قیم کا جو ہر ہر زمانے میں اور اس کلی ملت میں سے مخصوص جزوی ملتوں کے بارے میں راوی ہو، اور اس کے مطابق فتویٰ دینے والا مفتی ہو، لازمی ہے۔ کہ وہ سارے کے سارے تشاتت[1] اور علوم کا پورے کا پورا احاطہ کریں۔ اور ایسا ہونا ممکن نہیں۔

سوم۔ لوگ سب کے سب ذہین و ذکی ہوں اور ان کے لئے اس راوی اور مفتی سے حصولِ علم ممکن ہو۔ غرضکہ ایسی ملت جو شخص کبیر[2] اور مجموعی انسانی نظام کے لئے حقیقی صحت کے مثل ہو، محال ہے اور جس طرح ایک شخص واحد کی جو عام انسان ہے حقیقی صحت ممکن نہیں، اس طرح اس ملت کا کامل و مکمل طور پر اصلاً وجود میں آنا ممکن نہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم اور اس کی عنایت سے یہ واجب ٹھہرا کہ وہ اس ملت جامعہ کا وجود عالم مثال میں برقرار رکھے۔ اس اعتبار سے اسے "امام مبین" کہا جائے۔ اور عالم جبروت الٰہی میں اس کا ایک کلی نام ہو۔ پھر ہر زمانے میں اس ملت جامعہ میں سے ایک قسط یا حصہ کی جو جامع ہو، تقسیم ہو اور اسے ایک مخصوص ملت کا نام دیا جائے۔ چنانچہ اس ملتِ جامعہ میں سے جو عالم مثال میں ہے اس طرح کی مخصوص ملت کا ترشح اور نزول ہوتا رہے گا۔ یہ ترشح اور نزول یا تو عام طور سے لوگوں پر ہو۔ اگر ان کی طرف سے اس قسم کا کوئی مانع نہ ہو کہ وہ شیطان کے تابع ہیں، یا ان کی بُری جبلت ہے۔ یا یہ ایک مخصوص شخص پر ہو۔ جس کے لئے سر بلندی و عظمت مقدر کی جائے اور لوگ اس کی طرف

---

[1] وہ امور جو اشتباہ کے نشو و نما کا باعث ہوتے ہیں۔

[2] پوری نوع انسان کا مجموعہ بحیثیت ایک فرد کے

دُور سے چل کر آئیں۔ چنانچہ اس مخصوص شخص کے علم کے نقوش ان میں منعکس ہوں اور اسی طرح اس سے روایات کی جائیں اگر مصلحت یہی ہو۔ یا اس مخصوص ملت کا ترشح اور نزول کثیر التعداد اشخاص پر، ان میں سے ہر ایک کی استعداد کے مطابق ہو۔ پھر یہ سب جمع ہوں اور اس طرح اس زمانے کی یہ ملت بن جائے۔ اور مذکر کی ہوئی صور و اشکال کی مثالیں اصل حقیقت سے ملتی جلتی ہیں۔ پس تم سمجھو اور اس پر قائم رہو"

معلوم ہونا چاہیئے کہ رسولوں اور پیغمبروں کی بعثت کے متعلق حکمت الہیہ کا اقتضاء خیر نسبی اور اضافی کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے، جس کا اعتبار بعثت کی تدبیروں میں ضروری ہے اور اس کا اندازہ سوائے ذات علام الغیوب کے کوئی نہیں کر سکتا۔ البتہ ہم اس قدر جانتے ہیں کہ کچھ اسباب ایسے ضرور ہوتے ہیں، جن سے کوئی بعثت خالی نہیں ہوا کرتی اور پیغمبر کی اطاعت اس لئے فرض کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اصلاح کا مقصد فرماتا ہے .... یہ لوگ خود اس قابل نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو براہ راست ان امور کا القا کیا جائے۔ اس لئے ان کی بہبود اس پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ اس وقت کے نبی کی پیروی کریں اور اس بنا پر حظیرۃ القدس میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے کہ لوگ اسی نبی کی اتباع کریں اس کی شکل یا تو یہ ہوتی ہے کہ یہ وقت کسی سلطنت کے ظہور کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالےٰ کسی ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے، جو ظہور ہونے والی سلطنت کے لوگوں میں دین کو قائم کرے، جیسے کہ ہمارے پیغمبر صلعم کی بعثت ہوئی۔ یا یہ کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کسی قوم کا بقا اور دوسری قوم کے مقابلے میں اس کو برگزیدہ بنانا مقدر ہو چکا ہے۔۔ جیسے کہ سیدنا موسیٰ کی بعثت یا یہ کہ کسی ملت کی قوت اور اس کے دین کے نظام کو زندہ رکھنا مقصود ہے اس صورت میں دین کا مجدد مبعوث کیا جاتا ہے جیسے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ وغیرھم ...."

(حجۃ اللہ البالغہ)